احادیث الاحکام کا اطلاقی مطالعہ

ترتیب و پیشکش: حافظ عتیق الرحمان گورچانی (متعلم، پی ایچ ڈی اسلامیات)

حدیث الاحکام کے اطلاقی مطالعہ کا تعارف:۔

حدیث کی جمع احادیث ہے، حدیث کلمہ حدث سے نکلا ہے، حدیث قدیم کے متضاد و مقابل آتا ہے، حدیث جدید، حدیث السن کا معنی جوانی ہے۔ حدیث کا معنی بات کرنے اور گفتگو کے بھی آتے ہیں۔ "واما بنعمۃ ربک فحدث" حدیث بدعت کے مخالف استعمال ہوا ہے۔ "کل محدثۃ بدعۃ"۔ نئی شئ بدعت ہے۔

اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ قول، فعل یا تقریر اور اوصاف و احوال ہیں جس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہو۔ اس کی اقسام کو بنیادی طور پر دو طرح سے تقسیم کیا جا سکتا ہے: حدیث کی نسبت کے اعتبار سے (قولی، فعلی، تقریری اور وصفی) اور راویوں کی تعداد کے اعتبار سے (متواتر، مشہور، عزیز اور غریب)۔

اعتبار کے اعتبار سے حدیث کی اقسام: قولی حدیث: اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فرمان کو بیان کیا جاتا ہے۔ **فعلی حدیث:** اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل یا فعل کو بیان کیا جاتا ہے۔ **تقریری حدیث:** اس میں کسی صحابی کے قول یا فعل کو بیان کیا جاتا ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، سنا، اور اس کی تردید کی نہ ہی اس سے منع فرمایا، جس سے اس کام کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ **وصفی حدیث:** اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صفت (ظاہری یا باطنی) کو بیان کیا جاتا ہے۔

راویوں کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی اقسام: متواتر حدیث: وہ حدیث جسے ہر دور میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ روایت کریں جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً ناممکن ہو۔ **مشہور حدیث:** وہ حدیث جسے ہر دور میں کم سے کم تین راوی روایت کریں۔ **عزیز حدیث:** وہ حدیث جسے ہر دور میں کم سے کم دو راوی روایت کریں۔ **غریب حدیث:** وہ حدیث جس میں سند کے کسی مقام پر صرف ایک راوی ہو۔

الاحکام: حکم کی جمع ہے حکم سے متعلق چیزیں ہیں، تعریف، اقسام و درجات، احکام شریعت کے ماخذ۔

تعریف: لغوی معنی ہے "الاثر مرتب علی الشئ"۔ کسی امر پر صادر کیا جانے والا حکم۔ **اصطلاحی معنی** یہ ہے کہ حکم کسی بھی فن میں مختلف معنی رکھتا ہے (عرف، اثر، منطق اور ادراک)

اصول فقہ کی تعریف: حکم سے مراد اللہ کے احکام جو بندوں کے اقوال و افعال سے متعلق ہوں چاہے اس کے ذریعے سے بندوں کو کوئی کام کرنے یا ترک جانے کا حکم دیا گیا ہو اور خواہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہو۔

مزید وضاحت:۔ "احکام" کا مطلب مختلف سیاق وسباق میں مختلف ہوتا ہے، لیکن عام طور پر اس سے مراد شرعی احکام اور ان سے متعلق قانون سازی ہوتی ہے۔ اس کی اقسام میں حکم تکلیفی (فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہ) اور حکم وضعی شامل ہیں۔

تعریف: شرعی احکام: اس سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف (بالغ) انسانوں کے افعال سے متعلق ہیں، جیسے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ علمی سیاق میں: "الاحکام" ایک علمی اصطلاح ہے جو کسی قانون، قاعدے، یا مسئلے کی وضاحت کرتا ہے، جیسے کہ فقہ میں احکام کی وضاحت۔

علماء امت نے احکام کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں:۔

احکام اعتقادی: اس سے مراد اللہ کے تمام وہ احکامات جن میں اللہ کی ذات وصفات، ملائکہ، انبیاء ورسل، آخرت وغیرہ پر ایمان لانے کو بیان کی گیا ہو۔ **احکام اخلاقی:** وہ احکام جن میں انسانوں کو اخلاق حمیدہ کو اختیار کرنے اور رذیلہ سے ممتنع رہنے کا حکم دیا گیا ہو۔ **احکام عملی:** وہ احکامات خداوندی جن کا تعلق انسان کے اقوال و احوال، افعال اور تصرفات سے ہو۔ عملی احکام کی 7 اقسام بیان کی گئی ہیں۔ خاندانی احکام (عائلی قوانین کا مجموعہ)، مالی احکام (رہن و دیوانی اور معاملاتی احکامات کا مجموعہ)، قضاء و شہادت اور یمین سے متعلق احکام (عدالتی مسائل شہادت وقسم سے متعلق احکامات)، جرم و سزا (جرم و مجرم سے متعلق تفصیلات اور حدود و تعزیرات کے احکامات)، نظام حکومت کے سلطنت سے متعلق احکامات (حاکم و رعایا کے باہمی تعلق کی تفصیلات پر مشتمل احکام)، اسلامی سلطنت کا دیگر ریاستوں سے تعلق قائم کرنے کے لئے سفارت کاری وخارجہ پالیسی کے احکامات اور اقتصادی احکام جس میں آمدنی کے ذرائع حصول اور مصرفات کے ادب و آداب اور امیر وغریب کے حقوق کے احکامات شامل ہوں۔

احکامات شریعت: حکم تکلیفی: یہ وہ حکم ہے جو کسی فعل کو لازم کرنے یا اختیار دینے کا تقاضا کرتا ہے، جس میں درج ذیل احکام شامل ہیں: **فرض:** وہ حکم جس کو بجالانے پر ثواب اور ترک کرنے پر عذاب ہو۔ **واجب:** فرض کے نزدیک ہے اور اس کا ترک کرنے پر عذاب ہوتا ہے۔ **سنت مؤکدہ:** وہ حکم جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدگی سے کیا ہو۔ **سنت غیر مؤکدہ:** وہ حکم جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی کیا ہو۔ **مستحب:** وہ حکم جس کو کرنے پر ثواب ملے اور نہ کرنے پر کوئی عذاب نہ ہو۔ **حرام:** وہ حکم جس سے رکنے پر ثواب اور ارتکاب پر عذاب ہو۔ **مکروہ تحریمی:** حرام کے قریب ہے، اس کے ارتکاب پر عذاب کی وعید ہے۔ اساءت (مکروہ تنزیہی): وہ حکم جس کو نہ کرنے پر ثواب ملے اور کرنے پر کوئی عذاب نہ ہو۔ **حکم وضعی:** یہ وہ احکام ہیں جو احکام تکلیفیہ کو وضع کرتے ہیں، جیسے کہ شراب کا حرام ہونا یا نکاح کا درست ہونا۔

احکام شریعت کے ماخذ: شریعی حکم معلوم کرنے کے ماخذ دو ہیں متفق علیہ اور مختلف فیہ۔ متفق علیہ میں چار ماخذ شامل ہیں۔(قرآن، سنت(حدیث)، اجماع اور قیاس) مختلف فیہ میں (شرائع من قبلنا، عادات و عرف، تفرد صحابی، مفاد عامہ اور صد الزرائع) شامل ہیں۔

اسی طرح احکام کی منصوصہ اور غیر منصوصہ کے اعتبار سے بھی تقسیم کی گئی ہے۔

کتب احادیث میں منصوص احکامات کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

امام صنعانی کی کتاب "توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار" میں تین علماء امت کے اقوال کو درج کیا گیا ہے کہ امام عبدالرحمان المزی کے نزدیک 8 سو روایات منصوصہ ہیں، امام عبداللہ بن مبارک کے نزدیک 9 سو جبکہ امام ابویوسف کے نزدیک 11 سو احادیث منصوصہ ہیں جب کے مطلق احادیث سے متعلق 4 آراء ہیں کہ 3 ہزار، 4 ہزار اور 45 سو احادیث مطلق یعنی غیر منصوص ہیں ان میں سے 5 سو احادیث میں صراحت احکام کا ذکر ہے۔

اطلاقی مطالعہ: نافذ کرنا، اس سے مراد ہے کہ رسول اللہؐ کی احادیث میں غور و تدبر کر کے احکام کا استنباط کرنے کے بعد ان کی تشریح و وضاحت اور پھر نافذ کرنا۔

حدیث کی روایت کو پرکھنے کے لیے سند و متن، راوی و مروی دونوں کی چھان بھٹک کرنے کے لئے علماء نے علم الرجال، علم الجرح تعدیل مرتب کیے ہیں۔ جس سے حدیث کے صحیح وضعیف اور موضوع ہونے کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

صاحب حدیث کا مقام و مرتبہ:۔

علم حدیث کی اہمیت وحجیت کے بیان سے قبل ضروری ہے کہ صاحب حدیث کے مقام و مرتبہ کو سمجھا جائے۔

حضرت محمد مصطفیؐ صرف نہیں بلکہ صاحب شریعت رسول اور خاتم النبیین پیغمبر ہیں کہ اب تا قیام قیامت تک کوئی نبی اور رسول پیدا نہیں ہو گا۔ اس لئے قیامت تک آپ ہی کی نبوت و رسالت اور تعلیمات پر ملت اسلامیہ کو عمل پیرا رہنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے چار فرائض منصبی اور مقاصد بعثت بیان کیے ہیں۔(تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت)۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ صرف قرآن کریم کی تلاوت پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کی تشریح و تفسیر اور توضیح بھی فرمائی جس کو علماء نے یوں بیان کیا ہے کہ آپؐ پر نازل ہونے والی وحی کی دو قسمیں ہیں۔ متلو اور غیر متلو۔ وحی متلو جس کی تلاوت کی جائے وہ قرآن کریم ہے اور وحی غیر متلو جس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو وہ اقوال وافعال اور تقریر رسولؐ ہے۔

واجب الاطاعت اور واجب الاتباع: اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں جابجا رحمت عالمؐ کی اتباع و اطاعت کی پیروی کی تاکید و تلقین فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے ارشادات و عمل کی اطاعت و اتباع دونوں لازم ملزوم ہیں۔

حجیت حدیث:۔

آپؐ کی ذات واجب الاطاعت و اتباع ہے۔ شریعت اسلامی کے دو بنیادی ماخذ ہیں (قرآن کریم اور احادیث رسولؐ) جس طرح قرآن کریم پر عمل کرنا لازمی ہے اسی طرح حدیث رسولؐ کی پیروی بھی ضروری ہے۔ احادیث رسولؐ کے ذریعہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر اور توضیح بیان کر دی گئی۔ حدیث شریعت کا ماخذ ہے، حدیث قرآن کی تفسیر بیان کرتی ہے، قرآن کا صحیح فہم حاصل کرنے کے لئے حدیث کو حجت ماننا ضروری ہے۔ جس آیت کریمہ میں آپؐ کے فرائض منصبی اور مقصد بعثت بیان کیے گئے ان میں حکمت سے مراد علماء امت نے حدیث ہی لیا ہے۔

منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب:۔

اس زمانہ میں فتنۂ انکارِ حدیث نہایت آب و تاب سے پھیل رہا ہے۔ حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کی طرف سے تین متضاد خیالات اشاعت میں آرہے ہیں:

اعتراض نمبر:۱۔" قرآن مجید کے لیے حدیث شریف کی ضرورت نہیں، ہر شخص اپنی سمجھ سے قرآن مجید سمجھ سکتا ہے، اور روایات واحادیث کا سارا سلسلہ سازش ہے۔" (پرویز، طلوع اسلام، اکتوبر:۱۹۵۲ء) مقصد یہ ہوا کہ حضورؐ کی فرمودہ وبیان کردہ تشریحات قطعاً حجت نہیں، یا قطعاً حاجت نہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قولِ رسولؐ صحابہ کرامؓ پر بھی واجب الاتباع نہ تھا۔

مختصر جواب:اس آیت کریمہ میں ذکر کا لفظ بیان ہوا ہے ذکر کا معنی نصیحت ہے گویا آیت کریمہ نصیحت و موعضہ کو شامل ہے جبکہ قرآن کریم کا زیادہ تر حصہ نصائح اور احکامات پر مشتمل ہے جس کی تفہیم و وضاحت کے لئے رجوع الی الحدیث ضروری ہے۔

اعتراض نمبر:۲۔ ''حضورؐ نے جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ صرف حضورؐ کے زمانہ کے ساتھ مختص تھے، ہر زمانہ کے مطابق اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔'' (پرویز، معارف، ج:۴، ص:۶۹۲) جبکہ طلوع اسلام، ماہِ جون:۱۹۵۰ئ، ص:۴۷، میں یہ ہے کہ:''آپ علیہ السلام کا فرمان آپ کے زمانہ میں حجت تھا، ہم پر حجت نہیں۔''

مختصر جواب۔اس اعتراض میں آپؐ کی ختم نبوت کا انکار مستلزم ہو رہا ہے۔ سابقہ انبیاء ورسل کی شرائع منسوخ کر دی گئی ہیں آپؐ قیامت تک کے لئے نبی ورسول ہیں تو ان کے احکامات و تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی پیروی بھی قیامت تک لازمی ہے۔

اعتراض نمبر:۳۔ ''حضورؐ کا قول و فعل تو حجت ہے، لیکن چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا، اس لیے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔''(پرویز، طلوع اسلام، جولائی، ص:۱۹، ص:۴۹، اسلم جیراج پوری، طلوع اسلام، ماہِ نومبر:۱۹۵۰ء، ص:۷۳۰)

مختصر جواب:۔

اعتراض نمبر:۴۔ آپؐ نے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھنے کا حکم فرمایا۔

مختصر جواب:۔ رسول اللہؐ نے ابتداً قرآن کے سوا لکھنے سے منع فرمایا تھا جبکہ بعد ازاں آپؐ نے خود ہی صحابہ کرام کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اسی طرح یہ منع کرنا ایک وقت مقرر کے لئے تھا اور علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ کتابت سے منع کرنے سے مراد یہ تھا کہ قرآن کی آیات اور احادیث کو ایک ساتھ نہ لکھا کریں۔

اعتراض نمبر:۵۔ سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں ارشاد باری ہے کہ قرآن میں ہر شئ کی وضاحت موجود ہے تو پھر حدیث کی کیونکر ضرورت ہے؟

جواب:۔ کل شئ سے مراد دین کے بنیادی عقائد و اصول ہیں جبکہ عبادات و معاملات سے متعلق بہت سے احکامات ایسے ہیں جن کی تفہیم احادیث رسولؐ کے بجز ممکن اور قابل عمل نہیں رہتی۔

مندرجہ بالا سوالات کے تفصیلی جوابات حسب ذیل ہیں۔

اگر منکرینِ حدیث کے مختلف گروہوں کے مختلف خیالات ہوتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ عجب امر یہ ہے کہ ایک ہی گروہ بلکہ ایک ہی شخص مختلف آراء اور خیالات کا اظہار کر رہا ہے، جسے دیکھ کر دو شقوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، یعنی یا تو ان کو مجبور سمجھ کر معذور خیال کیا جائے یا یوں کہا جائے: ان کا کوئی نصب العین معین نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نظریہ، بلکہ اس ساری تگ ودو سے ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ تعلیماتِ رسول اللہ (1) سے انکار کر کے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں، اس لیے جس قسم کا موقع پاتے ہیں بات منہ سے نکالتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا بک چکے ہیں۔

نظریہ اولیٰ حدیث کی تردید کا جواب۔ "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ"۔ (الشوریٰ:۵۱) اس آیت میں اِرسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسالِ رسول کے بھی وحی ہوتی ہے، یہی حدیث ہے۔ ۲:-"وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ"۔ (البقرۃ:۱۴۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال کا حکم الٰہی تھا، حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔ ۳:- "عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ"۔ (البقرۃ:۱۸۷) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں رمضان کی رات کو بھی جماع کرنا حرام تھا، یہ حرمت حدیث ہی سے ثابت تھی، قرآن مجید میں اس کا حکم نہیں۔ ۴:-"وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ"۔ (آل عمران:۱۲۳) یہ آیت جنگِ احد کے موقع پر نازل ہوئی، جس میں مذکور ہے کہ بدر کے مقام پر خداوند کریم نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ کیا، حالانکہ قرآن مجید میں مقام بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں، تو معلوم ہوا کہ انزالِ فرشتہ وحیِ غیر متلو سے تھا جو کہ حدیثِ رسولؐ ہے۔ ۵:- قرآن مجید میں انبیاء کرامؑ کی احادیث ہیں جو حجیت حدیث پر واضح دلیل ہیں، جب انبیاء کرامؑ کی احادیث کا ان کی امت پر واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے، تو پھر ہمارے

رسول کریم a کی احادیث کیونکر واجب العمل نہ ہوں گی؟ ٦:- قرآن مجید میں جابجا ''أَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ'' کا ارشاد ہے۔ اگر نبی ﷺ کا قول و فعل قابل اعتماد نہیں تو ''أَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ'' جابجا کیوں مذکور ہے؟ قرآن مجید میں جابجا اطاعتِ رسولؐ کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہؐ کی نافرمانی پر وعید شدید سنائی ہے۔ ٧:- ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔''(آل عمران:١٦٤) یہ آیت معنی اور مفہوم کے اعتبار سے قطعی طور پر محکم ہے۔ اس میں صاف دلالت ہے کہ رسول کریمؐ کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح ابلاغ ہی نہیں تھا، بلکہ آپ a حکمت کے مبلغ اور مسلمانوں کے لیے مزکّی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا جو فرض حضورؐ کے ذمہ لگایا گیا تھا آپؐ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کریم کے طلبہ حضرات صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں آپ m سے دریافت نہ کرتے تھے؟ اور اگر دریافت کرتے تھے تو کیا آپ a ان کے جواب میں قرآن ہی کی آیت پیش فرمایا کرتے تھے؟ کیا یہ طریقِ تعلیم قرینِ قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے اور طلبہ سماعِ متن کے علاوہ کوئی اور بات دریافت کریں تو استاذ ان کے جواب میں کتاب کا ہی متن پڑھ دے اور اپنی زبان سے تشریح کچھ نہ کرے؟ معلم کا فرض ہے کہ کتاب کی مجملات کی تفسیر واضح طور پر سمجھائے، طلبہ کے اعتراضات اور خدشات کو حل کر کے کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح کر دے اور اچھی طرح سمجھائے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ اگر قرآن کریم سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرویز علیہ ماعلیہ نے معارف القرآن لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضورؐ کی تفسیر تو قابل قبول نہ ہو اور گستاخ خاک بدہنش کی تفسیر مقبول ہو۔ حضورؐ اپنے قول و فعل سے تشریح و تفسیر فرماتے تھے اور صحابہؓ کرامؓ کا تازندگی تزکیہ کرتے تھے اور اگر حضورؐ کا قول و فعل قابل اعتماد نہیں تو پھر آپؐ معلم الکتاب اور مزکّی کیسے ہوئے؟ ٨:- قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعۂ خواب مذکور ہے، جو کہ وحی متلو (میں موجود) نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہزار تمناؤں کے بعد آخری عمر میں خداوند قدوس نے فرزند عزیز عطا فرمایا، پھر حالت رضا میں برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے دریافت کیے، مگر خلیل اللہؑ کے مقامِ تسلیم رضا کی امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی تاحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ خواب کو وحی الٰہی فرما کر بغیر کسی تردد کے حکم کی تعمیل کے لیے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں، بلکہ فرزند لختِ جگر کو قربانی فرمانے کا عمل نہایت مستعدی سے شروع کر دیتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کا نہایت عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کرنے کا اقرار کرنا اور حضرت اسماعیلؑ کا ''فَافْعَلْ مَا تَرٰی'' کے بجائے ''فَافْعَلْ مَا تُؤْمَرُ'' اور اللہ تعالیٰ کا ''قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا'' اور ''فَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ'' کا ارشاد فرمانا، پھر اس امتحان کو ''بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ'' سے

تعبیر کرنا یہ جملہ اس بات کے لیے واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں ذبح کرنے کا حکم ہوا، اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا، غرض یہ کہ حجیت حدیث پر آیات بالا قطعی دلیل ہیں، اس کے بعد کچھ عقلی دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

دلائل عقلیہ ۱:۔۔۔۔ قرآن مجید میں ہر شئے کا ذکر اجمالاً ہے، جس کی تشریح اور تفسیر احادیث میں ہے۔ نمازوں کے اوقات، تعدادِ رکعات، واجبات کی تفصیل، صوم وصلاۃ کے معاملات اور معاشرت کے احکام وقوانین ان سب امور کی تفصیل حدیث شریف میں ہے اور حدیث ہی سے ثابت ہے۔ پس انکارِ حدیث سارے نظام اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح پیشاب، پاخانہ، کتا، گوہ، گیدڑ وغیرہ کی حرمت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں، چنانچہ اسی اعتراض سے بچنے کے لیے منکرین حدیث علیہم ما علیہم ان جملہ اشیاء کی حلت کے قائل ہیں۔ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتے ہیں: ''قرآن میں مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے اور کھانے سے انکار کرنا گناہ ہے اور خدا تعالیٰ کی معصیت ہے۔'' (طلوع اسلام، جون: ۱۹۵۲ئ) یعنی کتا، گیدڑ، بلی، چوہا حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ کا کھانا فرض ہے۔ (نعوذ باللہ من تلک الخرافات) اس سے ظاہر ہے کہ منکرین حدیث خدا کی معصیت سے بچنے کے لیے شبانہ روزانہ یہ اشیاء کھاتے ہوں گے۔ (سَوَّدَ اللّٰہُ وُجُوْہَہُمْ)

۲:۔۔۔۔ اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے، اس لیے حدیث قابل قبول نہیں تو قرآن بھی انہی وسائل سے ہم تک پہنچا ہے، قرآن پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اگر کہا جائے قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ'' تو ہم کہتے ہیں: خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد ہو گیا؟ کیونکہ یہ بھی انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے، جن کی وساطت سے ہم تک احادیث پہنچی ہیں۔ صحابہ کرامؓ وتابعین وتبع تابعین ومن بعد ہم امت مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں، کیا ان سے اجتہادی غلطی ہوئی؟ یا یہ جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی ہے، یعنی حدیث قابل حجت نہیں تھی، مگر اسلاف سے غلطی ہوئی کہ وہ اسے قابل عمل سمجھتے رہے، تو یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین ومتاخرین وصلحاء تمام تر اسلاف اسی غلطی میں رہے، کیا کسی ایک فرد نے اس غلطی کو محسوس نہیں کیا ہے؟ اور اگر اسلاف حدیث کو قابل عمل نہیں سمجھتے تھے، تو کیا جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے؟ تو اس امت میں باقی مؤمن کون رہا؟

عجیب اتفاق ہے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ وتبع تابعینؒ، ائمہ محدثینؒ اور جمیع سلف صالحینؒ تو نعوذ باللہ قرآن کے خلاف تھے، اور صرف شیطان پرویز ہی چودہ سو سال کے اندر قرآن سمجھنے والے پیدا ہوئے ہیں۔ اور جو دین چودہ سو سال تک مخالفین کے پاس رہا، اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اُسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہیں ہوا، تو ایسے دین پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سابقہ آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر

کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلاواسطہ رسول بھیج دیتے تو لوگ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ متاثر ہوتے اور کفار خود اس بات کے طالب بھی تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر لکھی لکھائی کتاب نازل کی جائے۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ملنے پر زیادہ سبب ہدایت ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا اور رسولوں کی معرفت کتابیں بھیج دیں۔ اور رسول بھی صرف انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتہ کیوں نہیں اتارتا؟ تاکہ ہمیں احکام کے منزل ہونے کا یقین ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ”لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا“ (الانعام:۹) ”لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا“ (بنی اسرائیل :۹۵) غرض یہ کہ تنزیل کتب کے لیے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لیے منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب ضرور کتاب اللہ میں موجود ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ“۔(النساء:٦٤) یعنی خدا تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے، ان کی بعثت کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ فرمان خداوندی عزوجل کے مطابق حکم دیں اور خود قوانین الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام پر عمل کر کے امت کے لیے ایک نمونہ قائم کریں، تاکہ امت ان کی تابعداری کرے۔ اور اگر بلاواسطہ رسول احکام نازل کیے جاتے اور ان کی تفسیر و تفصیل کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور ان کو عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ ہوتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی کو سمجھنے میں غلطی کرتے، ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کرسکتے تھے، مگر ان کے متعلق لوگ خیال کرتے کہ فرشتہ قوتِ نفسانی، شہوانی اور غضب سے منزہ ہے اور انسانی وحوائج وضروریات سے مستغنی ہے، اس سے احکام طہارت، پاکیزگی اور تقویٰ میں انسان فرشتہ کی پیروی نہیں کرسکتے، کیونکہ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے پینے سے پیشاب پاخانہ کرنے کا محتاج ہوتا ہے، قوت شہوانی وغضب کا مالک ہے اور وامراض وعوارض کا شکار ہوتا ہے، بال بچوں کا جنجال ہوتا ہے، اس لیے فرشتہ کا اتباع انسان کے بس کی بات نہیں، لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسان ہیں، ہم میں انسانی کمزوریاں ہیں، ہم فرشتہ کی متقیانہ زندگی کا اتباع نہیں کرسکتے، اس لیے ضروری تھا کہ انسان ہی جذبات وعوارض کے ساتھ بطور پیغمبر مبعوث فرمایا جائے، اس کے لیے وہی معاملات درپیش ہوں جو عام انسانوں کو درپیش ہوں، تاکہ وہ قوانین الٰہیہ کے مطابق لوگوں کو زندگی بسر کر کے دکھائے کہ دیکھیئے! انسان کس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے فعل، عمل اور قول سے ہدایت دیتا اور اس کو سمجھاتا ہے، تاکہ انسانی زندگی کی پیچیدہ راہوں سے بچ کر راہ مستقیم پر چل سکے۔ غرض یہ کہ لفظوں میں منزلہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لیے اسوۂ حسنہ قائم کردیتا ہے، بس یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ پیرویِ رسول ؐ کو بھی اس کے ساتھ ہم پر لازم فرمادیا۔

نظریہ ثانیہ کی تردید: اگر رسول اللہ ؐ کی تعلیمات صرف آپؐ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھیں اور حجت نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آنحضرتؐ کی نبوت قیامت تک عام نہیں۔ (حالانکہ) یہ (نتیجہ) غلط ہے، جبکہ مندرجہ ذیل آیات اور ادلہ بھی اس کی صریح تردید کرتی ہیں: ۱:-"اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" میں قرآنی حکم عام ہے اور قیامت تک کے لیے ثابت رہے گا، اگر ہم پر قرآن حجت ہے تو قرآن کریم کی آیت مقدمہ کا ٹکڑا ہم پر کیوں حجت نہیں ہوگا؟ ۲:-"یَا اَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا"۔ (الاعراف:۱۵۸) ۳:-"وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ (الانبیاء:۱۰۷) ۴:-"وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ"۔ (السبأ:۲۸) ۵:-"مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"۔ (الاحزاب:۴۰) اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ کتاب اللہ کے سمجھنے کے لیے معلم کی ضرورت ہے، جب نبی کریمؐ کے بعد کوئی نبی ورسول نہیں آسکتا، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ a کی تعلیمات الی القیامہ واجب الاتباع ہیں۔ ۶:- "رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ"۔ (النساء:۱۶۵)

دلائل عقلیہ ۱:- کتاب اللہ کے سمجھنے کے لیے معلم الکتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کیوں مبعوث کیے گئے؟ نیز اگر قول رسولؐ اہل زمانہ پر واجب الاتباع ہے تو ہم ان تعلیمات سے کیسے مستغنی ہوسکتے ہیں؟ صحابہ کرامؓ کو معلم کی ضرورت پڑے اور ہم معاذ اللہ ان سے بھی زیادہ عقلمند بن بیٹھے، کہ وہ باوجود اہل زبان، اہل محاورات ہونے کے نہ سمجھ سکے اور ہم سمجھنے لگ گئے۔ ۲:-تمام جمہور یعنی جمیع امت جو آج تک حدیث کو قابل قبول سمجھتی آئی ہے، ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے یا جان بوجھ کر بقول پرویز: "اسلام کے خلاف سازش کرتے رہے ہیں"۔

نظریہ ثالثہ کی تردید ۱:-منکرین حدیث کہتے ہیں کہ: حدیث ظنی ہے، قرآن کی رو سے ظنی پر عمل کرنا جائز نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم کی رو سے حدیث کی پیروی کرنا منع ہے۔ منکرین حدیث کا یہ استدلال دجل وتلبیس ہے کہ لفظ ظن لغوی معنیٰ میں مستعمل ہے یا بالکل بغیر دلیل کے محض گمان اور اٹکل ہے۔ ۲:-شواہد اور قرائن سے ظن بمعنی غالب ہے۔ ۳:- نیز علم یقینی، نظری استدلالی ہے جو برہان قطعی سے حاصل ہو اور اس میں مشاہدہ بھی ہو، مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ میں لفظ "ظن" اس علم یقین کے معنی میں مستعمل ہے اور رکھا گیا ہے: ۱:-"یَظُنُّوْنَ اَنَّہُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّہِمْ وَاَنَّہُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔" (البقرۃ:۴۶) ۲:-"قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّہُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ۔" (البقرۃ:۲۴۹) ۳:- "وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰہُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ۔" (ص:۲۴) ۴:-"اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ۔" (المطففین:۴) قرآن کریم نے ظن بمعنی اٹکل استعمال کرنا منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ (معاذ اللہ) محض اٹکل نہیں ہے، اس لیے ظن کا معنی ثانی یعنی غالب ومعنی ثالث یعنی علم یقینی استدلالی ہے اور ظن کو اسی لحاظ سے ظن کہا جاتا ہے، بہت ساری احادیث علم یقینی واستدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی v (التوفی: ۸۵۲ھ) شرح نخبۃ

الفکر میں فرماتے ہیں: ”وقد یقع فیہا اَی فی اَخبار الآحاد المنقسمۃ إلٰی مشہور وعزیز وغریب مایفید العلم النظری بالقرائن علی المختار۔“ (شرح نخبۃ الفکر، ص:۴۳، ط:قدیمی) تو صاف ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہیں۔ باقی رہیں وہ احادیث جو ظن غالب کا فائدہ دیتی ہیں، سو شریعت مطہرہ نے ظن کو یقین کا فائدہ دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لیے ثقہ عادل کی شہادت کہیں ایک، کہیں دو اور کہیں زیادہ کی کافی ہے، سو وہ احادیث میں موجود ہیں، اس لحاظ سے سب احادیث یقینی ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ مفیدِ علمِ یقینی واستدلالی ہیں۔ یا یہ کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمال موجود ہے، لیکن شرعاً نہیں۔ غرض یہ کہ نتیجہ یہی ہوگا کہ مفیدِ علمِ یقینی واستدلالی شرعی ہیں اور عقلاً اس لیے کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث مفیدِ علمِ یقینی استدلالی عقلی ہیں۔ اور اکثر احادیث موجب ظن غالب ہیں اور دنیا میں ظن غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ قول رسولؐ کو واجب الاتباع تسلیم کرلینے کے بعد اسے ظنی سمجھتے ہوئے حجت نہ ماننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم کی نسبت کرنے کے مترادف ہے۔

تدوین وکتابت حدیث سے متعلق منکرین حدیث کا یہ اعتراض کہ حدیث رسولؐ تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہے، صاف دھوکہ ہے، کیونکہ حدیث رسولؐ کی تدوین عہد رسالت ہی میں شروع ہوگئی تھی۔ رسول اللہؐ کا کتابت حدیث سے منع فرمانا اسلام کے ابتدائی زمانہ میں صرف اس لیے تھا کہ کہیں قرآن کے ساتھ التباس نہ ہوجائے، کیونکہ اس وقت کتابتِ قرآن کا دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجز ہونے سے ابھی پوری طرح فائز وواقف نہ تھے۔ کتابتِ حدیث سے منع کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں، اگر یہ مقصود ہوتا تو آپؐ حدیث بیان کرنے سے روک دیتے، حالانکہ حضورؐ نے خود فرمایا: ”فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ“ حضورؐ کے زمانہ میں اور اس کے بعد بعض صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں احادیث بیان کرنے کا رواج تھا، جناب نبی اکرمؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ایک خدمت پر بھیجتے وقت دریافت فرمایا کہ: تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: پہلے قرآن پر نظر کروں گا، پھر آپ کے قول اور فعل سے استدلال کروں گا، پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضورؐ نے اس پر اظہارِ مسرت فرمایا اور حدیث کے حجت (ہونے) پر تصدیق ثبت فرمائی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ”تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم“ (سنن ابوداود، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ج:۲، ص:۱۵۹) شروع میں اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کی وجہ سے اجازت نہ تھی، تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔ طبقات میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کا واقعہ مذکورہ ہے کہ آپؓ نے دربارِ رسالت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہؐ! میں نے آپ سے جو احادیث بالمشافہ سنی ہیں، ان کے تحریر کرنے کی اجازت عطا فرمادیجئے! آپؐ نے بخوشی اجازت عطا فرمادی، پھر آپؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ! کیا میں نشاط کی احادیث ضبط کروں یا غصہ کے وقت کی بھی؟ آپؐ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ چنانچہ احادیث کو انہوں نے جمع کیا اور اس کا نام ”الصادقۃ“ رکھا۔ یہ پورا واقعہ ابوداودؒ نے ”کتاب العلم“

میں بھی لکھاہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے سب سے زیادہ احادیث یاد ہیں، مگر عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا: ”اِنہ کان یکتب ولا اَکتب“۔ بخاری شریف اور مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابو ہریرۃؓ کے پاس بھی احادیث کا ذخیرہ مکتوبہ موجود تھا۔ حضرت حسن بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ میں نے حضرت ابو ہریرۃؓ کو حدیث سنائی تو آپؓ نے فرمایا کہ: یہ غلط ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو تحریری کتابوں میں ضرور درج ہوگی، چنانچہ آپؓ نے اپنی کتابوں میں یہ حدیث تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی، اس مقام پر منکرین نے دواعتراض کیے ہیں: اعتراض اول:۔۔۔۔ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے زیادہ روایات منقول نہیں۔ جواب:۔۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری شریف کی روایت میں استثناء منقطع ہے، اس لیے سابقہ جملہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نیز کثرتِ علم، کثرتِ روایت کو مستلزم نہیں۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصq زیادہ تر شام میں رہے ہیں اور حضرت ابو ہریرۃؓ کا قیام مدینہ منورہ میں رہا، چونکہ دورِ اول میں علم کا مرکز مدینہ منورہ تھا، لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ منورہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، اس لیے حضرت ابو ہریرۃؓ کو روایات زیادہ بیان کرنے کا موقع ملا۔ اعتراض دوم:۔۔۔۔ مستدرک حاکم میں موجود ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بھی لکھی ہوئی احادیث موجود تھیں اور بخاری میں ہے: ”لا اَکتب“۔ جواب:۔۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ خود لکھنا نہ جانتے تھے، بلکہ دوسروں سے لکھواتے تھے۔ (فتح الباری، ج:۱، ص:۸۳۰) جب لوگ قرآن مجید کے معجزانہ اسلوب سے خوب واقف ہوگئے، تو آپؐ نے لکھنے کی اجازت عطا فرمائی، بلکہ لکھنے کا حکم عطا فرمایا اور کئی صحابہ کرامؓ کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابو شاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر خود انہیں دے دیا، فرمایا تھا: ”اکتبوالاَبی شاہ“ (مفتاح السنۃ، ص:۱۰۷، طبع مصری) اور بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، فرمایا کہ حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن بھیجتے وقت آپؐ نے انہیں ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ بھیجا تھا، جس میں صدقات وفرائض وغیرہ کے احکام تھے۔ (مفتاح السنۃ، ص:۱۰۷، طبع مصری) حضرت مسلم بن حارثؓ کے والد کو بشارت لکھوادی (ابوداود) امام ترمذی v نے ”کتاب العلل“ میں لکھاہے کہ طائف کے ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباسr کو ان کی ایک کتاب سنائی، خطیبؒ کی روایت کے مطابق حضرت انسؓ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا، حضرت انسؓ اپنی اولاد کو کتابتِ حدیث کا حکم دیا کرتے تھے۔ (دارمی، ص:۶۸) علامہ ابن عبد البرؒ نے جامع میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کیاہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اور حضرت علیؓ نے بعض احادیث کو لکھ کر صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا۔ (بخاری شریف) بعض کثیر الروایہ صحابہ کرامs مثلاً: حضرت ابو ہریرۃؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت

انس بن مالکؓ وغیرہم کی روایات کو ان کے شاگرد روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ (دارمی۔ تہذیب، ج:۴۔ ترمذی، کتاب العلل) حضرت عمرؓ عمالِ حکومت کے لیے "صدقۃ المواشی" کے احکام لکھ کر رکھتے تھے۔ (المؤطا، ص:۱۳۵، ط: مصر یا ص:۱۳۶ یا ص:۱۵۱ یا ص:۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ فرمالیں)

حفظ حدیث: صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اگرچہ کتابتِ حدیث ثابت ہے، مگر اس زمانہ میں حفظِ صدری پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ زیادہ مشہور تھے، مختلف مضامین کے طویل و عریض قصائد اُن کو زیادہ یاد تھے۔ نیز اس کے علاوہ ان لوگوں کو اونٹوں کے، گھوڑوں کے زیادہ تر نسب نامے بھی یاد تھے۔ حضورؐ کے قول و فعل کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا، اور حضورؐ کے قول و فعل کو واجب الاتباع سمجھ کر اس کی حفاظت کی۔ صحابہ کرام s کے بعد تابعینؒ کا زمانہ آگیا، انہوں نے اقوالِ رسولؐ کو دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں کمالِ حفاظت سے پہنچا دیا۔ صحابہ کرامؓ کے پاس ذاتی یادداشتیں تحریر شدہ تھیں، مگر کوئی کتاب حدیث کی مرتب نہ تھی۔ پہلی صدی کے آخر میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (متوفی: ۱۰۱ھ) والیِ مدینۃ المنورۃ نے حضرت ابو بکر بن حزمؒ کو خط لکھا: "انظر ماکان من حدیث رسول اللہؐ، فاکتبوہ، فإنی خفت دروس العلم وذہاب العلمائ" (مفتاح السنۃ ص:۲۰) اور انہیں یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبد الرحمن انصاریہؒ (متوفاۃ: ۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ (متوفی: ۱۲۰ھ) کی احادیث کے مجموعے لکھوا کر میرے پاس بھجوائیں۔ اسی طرح آپؒ نے آکر بڑے بڑے شہروں کے عمال کو اسی طرح کے حکم تدوینِ حدیث کے لیے بھیجے۔

کتب احادیث کی اقسام:۔

گذشتہ پندرہ صدیوں سے اہل علم تدوین حدیث کے کام میں مشغول و مصروف ہیں، ذیل وہ اصناف کتب بیان کی جارہی ہیں جن میں احادیث کو مختلف انواع و اقسام کی ترتیب سے جمع کرنے کی خدمات انجام دی گئیں:۔

کتب صحاح: ہر وہ کتاب جس کے موٴلّف نے اپنی کتاب میں صحیح روایات لانے کا التزام کیا ہو اور "صحیح" کے لفظ کو کتاب کے نام کا حصہ بنایا ہو۔ ایسی کتاب کی روایات کم از کم اس کے موٴلّف کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں۔ اور اگر وہ خود ہی کسی حدیث کی علت بیان کر دے تو اس سے اس کتاب کے صحیح ہونے پر حرف نہیں آتا۔

صحاح ستہ: حدیث کی چھ کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداوٴد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ "صحاح ستہ" کہلاتی ہیں۔ انہیں "اصول ستہ" یا "کتب ستہ" بھی کہا جاتا ہے۔ پہلی دو کتابیں (صحیح بخاری، صحیح مسلم) "صحیحین" کہلاتی ہیں اور یہ صرف اپنے موٴلّفین کے نزدیک ہی صحیح نہیں ہیں بلکہ پوری امت کے نزدیک صحت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ ان پر اعتراض برائے اعتراض کرنے والا شخص، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بقول، اجماع امت کا مخالف اور بدعتی ہے۔ جبکہ آخری چار کتابوں

(سنن ابو داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ) کو سنن اربعہ کہتے ہیں۔ گو ان میں ضعیف احادیث موجود ہیں، تاہم صحیح حدیثوں کی کثرت کی وجہ سے اکثر علماء انہیں "صحاح ستہ" میں شمار کرتے ہیں۔

جامع یا جوامع: جس کتاب میں اسلام سے متعلق آٹھ بنیادی موضوعات، مثلاً: سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب وغیرہ سے تعلق رکھنے والی احادیث روایت کی گئی ہوں، مثلاً: صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہ۔

سنن: جس کتاب میں صرف عملی احکام سے متعلق احادیث فقہی تبویب و ترتیب پر جمع کی گئی ہوں، مثلاً: سنن ابی داود۔

مسند / مسانید: جس کتاب میں ایک صحابی یا متعدد صحابہ کی روایات کو الگ الگ جمع کیا گیا ہو، مثلاً: مسند احمد، مسند حمیدی۔

مستخرجات: جس کتاب میں مصنف کسی دوسری کتاب کی حدیثوں کو اپنی سندوں سے روایت کرے، مثلاً: مستخرج اسماعیلی علی صحیح البخاری۔

مستدرکات: جس کتاب میں مصنف ایسی روایات جمع کرے جو کسی دوسرے مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں لیکن اس کی کتاب میں نہ ہوں، مثلاً: مستدرک حاکم۔

معاجم: جس کتاب میں مصنف ایک خاص ترتیب کے ساتھ اپنے ہر استاد کی روایات کو الگ الگ جمع کرے، مثلاً: معجم طبرانی۔

اربعینات: جس کتاب میں کسی ایک یا مختلف موضوعات پر چالیس احادیث جمع کی گئی ہوں، مثلاً: اربعین نووی، اربعین ثنائی وغیرہ۔

اجزاء: وہ کتاب جس میں صرف ایک راوی یا ایک موضوع کی روایات جمع کی گئی ہوں، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی "جزء رفع یدین" اور "جزء القراءۃ خلف الامام" یا امام بیہقی رحمہ اللہ کی "کتاب القراءۃ خلف الامام" وغیرہ۔

کتب العقائد: جن میں ایمانیات سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں۔ یہ مستقل علیحدہ سے بھی لکھی گئی ہیں جب کہ بڑی کتب احادیث میں ان کے عنوان سے احادیث یکجا بھی کر دی گئی ہیں۔

کتب الاحکام: جن میں مسائل فقہیہ سے متعلق احادیث جمع ہوں۔

کتب التاریخ:۔ وہ کتب حدیث جن میں تخلیق کائنات سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں۔

کتب الزهد والرقاق:۔ وہ کتب احادیث جن میں زہد و تقوی، تصوف و احسان اور سلوک سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں۔

کتب الآداب:۔ وہ کتب احادیث جن میں معاشرتی ادب و آداب اور اخلاقیات کا تذکرہ جمع کیا گیا ہو۔

کتب الفتن:۔ وہ مجموعہ احادیث جن میں فتنوں کا ظہور اور ان کی بابت مسائل و احکامات اور قیامت کی نشانیاں جمع ہوں۔

کتب المناقب: وہ مجموعہ احادیث جن میں صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کا بیان درج ہو۔

مشیخۃ:۔ جس میں محدث اپنے استاد سے مروی احادیث کو جمع کر دے۔

کتب الافرادوالغرائب:۔ وہ کتب احادیث جن میں تفردات اور غرائب سے متعلق احادیث جمع ہوں۔

کتب العلل:۔ جن احادیث میں پوشیدہ علت موجود ہوں ان کو ظاہر کرنے والی احادیث کا مجموعہ۔

کتب الاطراف:۔ طرف کی جمع ہے اس مجموعہ میں احادیث کے کسی ایک طرف کا ذکر کر دیا جاتا ہے تو اس سے پوری حدیث کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

کتب الترغیب والترھیب:۔ ایسے احادیث کا مجموعہ جن میں تبشیر وتنذیر سے متعلق احادیث جمع کر دی گئی ہوں۔

کتب المسلسلات:۔ وہ کتب احادیث جن میں شروع سے آخر تک تسلسل پایا جاتا ہو، یعنی حدیث کے بیان کے ساتھ عمل کے ذریعہ بھی اس حدیث کی وضاحت وعملی تطبیق بیان کر دی جائے۔

کتب ثلاثیات: وہ مجموعہ احادیث جن میں صاحب کتاب اور رسولؐ کے مابین صرف تین واسطوں سے حدیث بیان شدہ جمع ہو۔

تاریخ تدوین حدیث:۔

تدوین حدیث کے بنیادی طور پر تین ادوار ہیں۔ پہلا دور عہد نبویؐ، دوسرا دور عہد صحابہؓ اور تیسرا دور عہد تابعین و تبع تابعین۔ تدوین حدیث کے تینوں ادوار میں ایک قدر مشترک اور کیے گئے بنیادی اقدامات ذیل میں درج کیے جارہے ہیں۔

حفاظت حدیث بذریعہ حفظ:۔ آپؐ سے صحابہ کرامؓ سماعت کرکے حدیث کو یاد کرلیا کرتے تھے، اس سبب آپؐ مکرر یعنی تین بار اپنے ارشاد کو دہرایا کرتے، آرام و آہستہ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے۔

حفاظت حدیث بذریعہ تکرار:۔ اصحابِ صفہ کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں دین حاصل کریں۔ اس وقت دینی تعلیم کے حصول کا کوئی باقاعدہ کتابی طریقہ مروّج نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کے افعال اور آپؐ کے فرمودات سے دین سیکھتے اور جو شخص جس قدر زیادہ آپؐ کی معیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا، وہ اسی قدر علم دین میں دوسروں کی بہ نسبت آگے ہوتا اور اس مقصد کے حصول کے لئے صحابہ کرامؓ نے آپس میں باریاں طے کر رکھی تھیں کہ ایک دن ایک صحابی اللہ کے رسولؐ کے پاس آکر دین سیکھتا اور اس کا کام کاج کوئی دوسرا صحابی سنبھالتا پھر دوسرے دن یہ صحابی کام کرتا اور دوسرے کو موقع دیتا کہ آج وہ اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضری دے۔

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے حوالہ سے یہ روایت بڑی اہم ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ”میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی نے اللہ کے رسولؐ کے پاس (علم دین حاصل کرنے) جانے کے لئے باری مقرر کرلی کہ ایک دن میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جایا کروں گا اور ایک دن وہ۔ جب میری باری ہوتی تو میں وحی سے متعلقہ معلومات لے کر آتا تو اپنے ساتھی کو ان سے آگاہ کرتا اور

جب اس کی باری ہوتی تو وہ بھی اسی طرح اللہ کے رسولؐ کے پاس جاتا اور جو وحی نازل ہوتی اس سے مجھے آکر آگاہ کرتا۔‘‘ (بخاری:۸۹)

حفاظت حدیث بذریعہ کتابت:۔ عہد صحابہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ آپؐ کے ارشاد کو ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے۔ "قیدوا العلم بالکتابۃ"، اکتبوا الابی شاہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا الصحیفہ الصادقہ، حضرت علیؓ کا صحیفہ دیت ووراثت اور صدقہ وغیرہ سے متعلق روایات کا مجموعہ، حضرت ابوہریرہؓ کا صحیفہ ہمام بن منبہ وغیرہ شامل ہیں۔

حفاظت حدیث بذریعہ تعامل:۔ عہد نبوی وعہد صحابہ اور تابعین کے ابتدائی دور میں مندرجہ بالا تین اور یہ چوتھا طریقہ ہی مروج تھے کہ حدیث حفظ، کتابت، تکرار اور تعامل کے ذریعہ محفوظ کرلی جاتی تھی کہ جو بھی آپؐ نے فرمان سنا اس کو یاد کیا اور لکھ کر محفوظ کرنے کے بعد غیر موجود حضرات کو سنادیا گیا اور پھر آپؐ کے فرمان پر عمل کا آغاز کا اہتمام بھی شروع کردیا۔ جیسے سنت مسواک پر صحابہ کا دوام۔